کتب پر تبصرہ

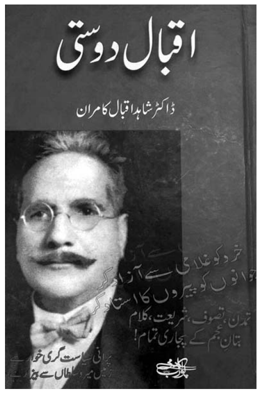

کتاب کا نام: اقبال دوستی

مصنف: ڈاکٹر شاہد اقبال کامران

ناشر: پورب اکادمی

شہر: اسلام آباد

سال اشاعت: ۲۰۱۵ء (طبع دوم)

صفحات: ۲۵۶

تبصرہ نگار: **ڈاکٹر الطاف اللہ***

تصنیف ہذا ڈاکٹر شاہد اقبال کامران نے بڑے سلیقے اور جدید تحقیقی پیرائے کو مد نظر رکھ کر علامہ محمد اقبال کے خیالات، تصورات اور نظریات پر سیر حاصل بحث قارئین کرام، طلباء، محققین اور اساتذہ کرام کی نذر کی ہے۔ اقبال زمانۂ حاضر کے ایک بڑے شاعر اور فلسفی تھے جنھوں نے فلسفہ خودی کی تشریح کی، اتحادِ عالم اسلام پر زور دیا، نسل و رنگ پر مبنی نظام کے خلاف آواز بلند کی اور مساوات کا علم بلند کیا۔

ڈاکٹر شاہد اقبال اپنی تصنیف میں اقبال کی شخصیت، شاعری، نظریات و خدمات کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ اقبال اردو و فارسی ادب کے چمن کا وہ مہکتا ہوا پھول ہے جس کی خوشبو نے ابھی تک پورے ماحول کو اپنے حصار میں لیا ہوا ہے۔ آپ نے اپنی گرمی گفتار، شاعری اور عملی زندگی کے ذریعے مسلمانوں کو شعور ذات بخشنے کی کوشش کی اور اپنی تصور خودی کی بدولت نوجوانوں کی زندگی میں ہلچل پیدا کر کے ان کی لغت سے مایوسی کا لفظ مٹا دیا اور ان کو آگے بڑھنے کی ترغیب دی۔

موجودہ تصنیف دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ڈاکٹر شاہد نے اقبال کے

---

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، مرکزِ فضیلت، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

تصور اسلامی جمہوری ریاست اور اجتہاد کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اقبال اسلام کو مذہب کی روایتی تعریف سے ہٹ کر ایک ایسی تمدنی تحریک تصور کرتے ہیں جس کا بنیادی مقصد عالم انسانیت کی اجتماعی زندگی میں ایسا تدریجی انقلاب لانا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نظر کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ کیونکہ اسلام بنی نوع انسان کو یہ درس دیتا ہے کہ دین نہ قومی ہے نہ نسلی ہے نہ ہی انفرادی بلکہ خالصتاً انسانی ہے اور اس کا اولین مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحدو منظّم کرنا ہے۔ اقبال اسلام کو ایک آفاقی مذہب کے تناظر میں دیکھتا ہے اور اس کو عصر حاضر اور بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ موافق بنانے کیلئے اجتہاد کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

دوسرا باب علامہ اقبالؒ کے تصوف کے حوالے سے نظریات کو روشناس کرتا ہے۔ تزکیہ نفس اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ربط وتعلق جوڑنے کیلئے تصوف انسان کو وہ سیڑھی مہیا کرتا ہے جس کے طفیل وہ اپنے رب سے ابدی رشتہ قائم کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اور یہ سلسلہ تا حیات جاری و ساری رہتا ہے۔ اگرچہ اس باطنی تجربے اور روحانی عمل کی توجیہہ نہ تو ممکن ہوتی ہے اور نہ ہی صوفی کا مقصود۔ تاہم عمومی طور پر ذات باری تعالی کے بارے میں ایک صوفی اپنے انفرادی روحانی عمل سے جو یقین اور استقلال حاصل کرتا ہے وہ اسی یقین اور استقلال کی مقدار و ماہئیت کے مطابق اپنے آقا سے رشتے، درجے اور کردار کو متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ علامہ تصوف کے حامی اور داعی ہیں، اس لیے وہ اس کا ایک مکمل نظام عمل یعنی فلسفہ خودی و بے خودی مربوط صورت میں پیش کرتے ہیں۔

تیسرا باب خطبہ آلہ آباد کے جملہ مباحث کے تجزیے پر مرکوز ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے حالات و واقعات پر گہری نظر ڈالنے کے بعد اقبال نے واضح کیا کہ ہم بحیثیت قوم خیالات و جذبات کے ایک ایسے زندان میں محبوس ہیں جو گزشتہ ادوار میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر رکھا ہے۔ ہم اپنی نوجوان نسل کو معاشی، سیاسی اور مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو عصر حاضر میں آنے والے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر بدل دیا جائے تا کہ وہ پھر نئ آرزوؤں، نئ تمناؤں اور نئے نصب العین کی امنگ محسوس کرنے لگے۔ اس سیاق و سباق کے ساتھ آپ نے ۱۹۳۰ء میں الہ آباد

کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کی اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک مسلم اکثریتی ریاست کے قیام اور اس کی خودمختاری مسلمانانِ ہند کیلئے آخری چناؤ ہو گا۔

کتاب کے چوتھے باب میں مصنف عالم اسلام کے سیاسی اتحاد کے بارے میں اقبال کے تصورات اور نظریات کو بخوبی بیان کرتا ہے۔ اقبال کا رجحان اسلام کو ایک روایتی مذہب خیال کرنے کی طرف نہیں رہا۔ وہ اسلام کو ایک ایسا تجربہ قرار دیتے ہیں جو عالم انسانیت کو رنگ، نسل و زبان اور علاقے جیسی مادی قیود سے آزاد کر کے یکجا کرنے کی خاطر کیا گیا۔ آپ کے نزدیک نسلی و وطنی قومیت کا تصور، جس نے انسانی مطمح نظر کو محدود اور مجروح کر دیا تھا اور زبردستی و زر طلبی کا جنون، جس نے ایک سیاسی عقیدے کی صورت میں اپنی غارتگری کا آغاز کر دیا تھا اور جسے معروف اصطلاح میں سرمایہ دارانہ نظام کہتے ہیں، دو ایسے پہلو تھے جن سے امت مسلمہ کو خطرات لاحق تھے۔ اقبال اس نسلی اور وطنی قومیت کو تہذیب نو کا تراشیدہ بت قرار دیتے ہیں۔ بقول اقبال:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

پانچواں باب اقبال کا دانش افرنگ سے تعلق، ترک فرنگ کی دعوت اور اشتراکیت کی تحریک جیسے دلچسپ اور معنی خیز تناظر پر محیط ہے۔ اقبال مغربی علوم و فنون اور خصوصاً طبعی علوم میں ان کی حیرت انگیز ترقی کو سراہتے ہیں۔ وہ مغرب کی علمی ترقی کو قرون وسطی کی مسلم دنیا کی علمی ترقی کا تسلسل قرار دے کر اپنے لوگوں کو اس تسلسل کو برقرار رکھنے میں اپنا کردار ادا کرنے پر آمادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ طبعی علوم میں مغرب کی حیرت انگیز پیش رفت کو اسلام سے متصل اور مطابق اور خود مسلمانوں کے علمی اصول کا تسلسل قرار دے کر مسلمانوں کو جدید علوم کی طرف مائل کرنا ہے۔ اقبال اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام پر مربوط معاشرے کو رد کرتا ہے اور اسلام کی معاشی، سماجی اور سیاسی نظام کو پسند کرتا ہے۔

چھٹے باب کو بنظر غائر جانچنے کے بعد یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اقبال کی ذہنی

اختراع اور سوچ و بچار کا بنیادی مرکز بنی نوع انسان ہے۔ آپ کے فلسفہ کے اساسی عناصر یعنی خودی اور بے خودی انسان کی حیثیت، دائرہ کار، اختیار اور علم، عمل اور ارادے کی حدود اور ان کے ہمہ پہلو نتائج سے متعلق نوع بہ نوع مباحث کی طرف اشارے کرتے ہیں۔ عظمت انسانی پر اقبال کا اعتقاد اس قدر پختہ ہے کہ وہ قدیم قصص میں بیان کردہ انسان کے کردار سے کہ جس کے مطابق انسان کو ماحول کے سامنے بے بس اور اسی لیے اس کو مجبور، دکھی اور ناکافی صلاحیت والا بتایا جاتا تھا، مطمئن نہیں ہوتے۔ وہ کسی ایسی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتے جس سے انسان کی کسی بھی سطح پر تذلیل کا پہلو نکلتا ہو۔ کیونکہ قائم کائنات میں ذات باری تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا خطاب دیا ہے اور اقبال اسی تناظر میں حضرت انسان کو دیکھتا ہے۔

ساتواں باب اسلامی ثقافت کے داخلی محرکات کے مطالعہ پر مبنی ہے۔ یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اقبال مابعد الطبیعاتی علم کو بھی تجربے کے ذریعے ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ وہ ''تجربے'' کی معنوی وسعت کو روحانی تجربے تک پھیلاتے ہوئے اور روحانی تجربے کی واقعیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان سے حاصل ہونے والے نتائج کو بھی علم کا ایک مآخذ قرار دیتے ہیں۔ اقبال اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ اسلامی تہذیب و ثقافت کی ہئیت اور وضع قطع یونانی فلسفے نے متعین کی۔ آپ کے مطابق اسلامی ثقافت میں کارفرما روح ہی اپنے مزاج، اپنے طریق کار اور ہئیت کے اعتبار سے یونانی فلسفے سے متصادم ہے۔ وہ اپنے خطبے میں واضح کرتے ہیں کہ جدید سائنس، جس کی بنیاد تجربے اور مشاہدے پر استوار ہے، کے بانی مسلمان ہیں۔

آٹھویں باب میں مصنف اقبال کے ابتدائی موضوعات سخن اور قومی زندگی کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ اقبال اپنی ملت کے معاشی اور عمرانی مسائل کی طرف شروع ہی سے متوجہ تھے۔ ان کی پختہ فکری اور ذہنی اختراع کا سراغ ان کی ابتدائی تحریروں سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنے فکری اظہار کے لیے صرف شاعری ہی کو وسیلہ نہیں بنایا بلکہ ان کے نثری آثار بھی ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ جہاں آپ کا شعر فکری ارتقاء کی

ابتدائی منزلوں کو طے کرتا ہوا تیزی سے آگے بڑھتا ہے وہی آپ کے معاشی و عمرانی افکار ایک واضح صورت اختیار کرتے ہیں۔ کتاب کے اس گوشے میں اقبال کے مختلف تصانیف، شعری مجموعوں، نظموں اور مضمون نویسی جیسے اہم موضوعات پر ڈاکٹر شاہد اپنی رائے جدید تحقیق کے اصولوں کو سامنے رکھ کر قارئین کرام، طلباء، اساتذہ اور تحقیق کے میدان سے وابستہ لوگوں کی نذر کرتے ہیں۔

نویں باب میں مصنف اقبال کی اسرار خودی کے حوالے سے ابتدائی مباحث کا باریک بینی سے جائزہ لیتا ہے۔ اقبال کا سیاسی فلسفہ ان کی معروف مثنوی ''اسرار خودی'' میں ملتا ہے۔ اس اساسی فلسفے کی تکمیل مثنوی اسرار خودی کے تین سال بعد شائع ہونے والی مثنوی رموز بے خودی میں ہوتی ہے۔ آپ کے دیگر مجموعہ ہائے کلام، مقالات و مضامین و مکتوبات اور خطبات معنوی اعتبار سے اسی فلسفے کی توضیح و تشریح کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثنوی کی منظر عام پر آنے کے بعد فوری ردعمل کے طور پر جس طرح کے بحث و مباحث کا آغاز ہوا، اقبال نہ تو ان کی توقع کرتے تھے اور نہ ہی ان مباحث کا مثنوی کے اصل مدعا و مقصد سے کوئی براہ راست تعلق تھا۔ تاہم اقبال نے مثنوی پر اعتراضات کا تفصیلی جواب اپنے چند مضامین میں دیا۔ یہ مضامین اخبار ''وکیل''، ''امرتسر'' اور دوسرے اخباروں میں شائع ہوئے۔

ڈاکٹر شاہد اقبال کامران ''اقبال دوستی'' کے آخری باب میں اقبال کے فارسی اور اردو کلام میں حواشی و تصریحات کا جائزہ لیتے ہیں۔ اقبال نے اپنے فارسی اور اردو کلام میں حواشی و تصریحات کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ آپ نے جابجا مشکل الفاظ و تلمیحات کے معانی بھی رقم کیے ہیں۔ اس سارے سلسلے کی تہہ میں یہ شعور کارفرما تھا کہ اپنے موقف کے وسیع تر ابلاغ کو ممکن بنایا جائے اور مجموعی طور پر وہ اپنی اس کاوش میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اقبال کے کلام میں ہمیں گاہے گاہے حوالہ جات، حواشی، تصریحات، تشریحات اور چھوٹے بڑے وضاحتی حاشیے دیکھنے کو ملتے ہیں اور یہی طریق کار آج کل کے نئے دور میں جدید تحقیق کا حصہ ہے۔